عقیدۂ بداء کا خصوصی مطالعہ

ڈاکٹر جواد حیدر ہاشمی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی

Abstract

Bada literally means disclosure of a secret and unobservable thing, however, in religious terminology it a disclosure of a secret from God which is very clear and unambiguous to Him because He knows everything about past, present and futer and nothing is hidden from Him.The Holly Imams,on the objections of Jews,have emphasized the concept of Bada as an expression of God's authority and his ability to change anything in the universe at his will.Bada is a revocable Divine ordination related to His rules for syestems of the universe(Takween)just like the abrogation(Naskh)of His rules defined for human to follow (Tashree).The lack of understanding about its true meaning is the reason for apparent differences of opinions about Bada among different Islamic Schools of Thought,whereas the details are common among them.The differences stem from the use of words,hence they are apparent and not Thought,.

Keywords:abrogation.universe,follow,Bada,Schools of

عقیدہ بداء شیعہ وسنی مکاتب فکر کے علما کے درمیان ہونے والی بحثوں میں سے ایک بحث ہے۔شیعہ اپنے اماموں کی پیروی میں اسے ایک اہم عقیدہ سمجھتے ہیں، جب کہ اہلسنت کے علماء اس عقیدے کو باطل، بے بنیاد اور خلاف

اسلامی عقیدہ قرار دیتے ہیں اور اسے علم الٰہی کے منافی قرار دیتے ہیں۔ [1] ہم مکتبِ امامیہ کی رو سے ایک مختصر توضیح پیش کرتے ہیں تا کہ اس کی حقیقت واضح ہو جائے، کیوں کہ بہت سے مسائل کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلافات ان مسائل کے بارے میں عدم واقفیت یا کسی غلط فہمی یا ان مسائل کی صحیح تفہیم نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، تو اگر ان مسائل کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے تو شاید اختلافات کسی حد تک کم ہو جائے۔ اسی مقصد کے تحت عقیدہ بداء کا ایک خصوصی مطالعہ کر کے اس کا حاصل مطالعہ پیش کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔

بداء کا لغوی معنی

بداء کا لغوی معنی ''مکمل طور پر آشکار اور واضح ہونا'' ہے، جیسے علامہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے:

بدا الشیء بدواً و بداءً، ای ظھر ظھوراً بیناً: [2] یعنی ایک چیز مکمل واضح اور آشکار ہو گئی۔

یہ لفظ جب بھی کسی کے بارے میں استعمال ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ایک مطلب یا موضوع کہ جو اس کے لیے مخفی تھا واضح اور آشکار ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بدا کے اس معنی کا اطلاق اللہ کے اوپر صحیح نہیں ہے چوں کہ یہ جہل اور نقص کا باعث ہے جب کہ اللہ ہر طرح کے جہل اور نقص سے پاک ہے اور اس کی ذات عالم مطلق ہے۔

علامہ محسن امین نے بھی اپنی کتاب میں بدا کا لغوی معنی ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ ''یہ معنی اللہ کے لیے استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ جیسے انہوں نے لکھا ہے: لفظ بداء جو کہ بداء یبدو کا مصدر ہے اس کا معنی ظاہر ہونا ہے۔ اور عرف میں یہ لفظ کسی چیز کے مخفی ہونے کے بعد ظاہر ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کام کو کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اسے بدا حاصل ہوا تو وہ اپنے ارادے سے پھر گیا۔ ہر دور کے شیعہ علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ معنی اللہ کے حق میں محال اور باطل ہے کیونکہ یہ اس کی طرف جہل کی نسبت دینے کا باعث بنتا ہے حالاں کہ وہ ہر طرح کے جہل اور نقص سے پاک ہے، اور اس کا علم ہر چیز کو ان کے کلیات اور جزئیات سمیت مکمل طور پر شامل ہے، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کے لیے مخفی ہو اور بعد میں اس کے لیے ظاہر ہو جائے۔'' [3]

آئمہ اہل بیت نے بھی بدا کے اس لغوی معنی کو اللہ کے حق میں استعمال کرنے سے سختی سے روکا ہے اور اسے اس کے حق میں نا قابل تصور قرار دیا ہے۔ جیسے حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں: **مَن زعم انّ اللہ عزّ وجل یبدو لہ فی شیء لم یعلمہ امس فابرأوا منہ** ''(۴) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی چیز سے متعلق یہ خیال کرے کہ اس کے لیے آج وہ چیز واضح اور آشکار ہو گئی ہے جو کل واضح نہیں تھی تو ایسے شخص سے دوری اور بیزاری اختیار کرو۔ تو پس معلوم ہوا کہ وہ بداء جو مکتب امامیہ کے اعتقادات میں شامل ہے اس سے مراد بداء کا لغوی معنی ہرگز نہیں ہے۔

بداء کا اصطلاحی معنی

علامہ سید مرتضی عسکری نے عقائد کی اپنی کتاب میں بداء کی یوں تعریف کی ہے: بداء سے مراد اللہ کے بارے میں کسی ایسی چیز کا آشکار کرنا ہے جو بندوں پر مخفی ہو لیکن اس کا ظہور ان کے لیے ایک نئی بات ہو۔۵

علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے تفسیر المیزان میں بداء کی یوں تعریف کی ہے: **إنما هو ظهور أمر منه تعالى ثانيا بعد ما كان الظاهر منه خلافه أو لا فهو محو الأول وإثبات الثاني والله سبحانه عالم بهما جميعا:** ۶

یعنی اللہ کی طرف سے بعد میں ایک ایسے امر کا ارادہ ظاہر ہونا کہ جس کے خلاف پہلے توقع تھی۔ پس بداء یہ ہے کہ پہلے کو محو کرے اور دوسرے کو ثابت کرے حالاں کہ اللہ دونوں کے بارے میں علم رکھتا ہے۔ پس بداء کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایک امر کے واقع ہونے کی توقع رکھتا ہے اس وقت اللہ ایک اور امر کے ایجاد کے ذریعے اس توقع اور گمان کو باطل قرار دیتا ہے چوں کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب اور علل کے پیش نظر ہم کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ رونما ہونے والا ہے یا اللہ نے اپنے کسی نبی یا رسول کے ذریعہ کسی واقعہ کے پیش آنے کے بارے میں لوگوں کو آگاہ فرما دیا تھا لیکن بعد میں وہ واقعہ پیش نہیں آتا تو ایسے موقع پر ہم کہتے ہیں کہ بداء حاصل ہوا۔

اگر انسان ظاہری اسباب کی بنیاد پر ایک واقعہ کے وقوع کو ضروری سمجھ رہے ہوں لیکن بعد میں ایسا نہ ہو بلکہ اس کے خلاف ظاہر ہو تو اس کو بداء کہتے ہیں، چوں کہ یہ ظاہراً بداء کے ساتھ شباہت رکھتا ہے اس لیے مجازاً بداء کہا جاتا ہے، ورنہ حقیقت میں (اللہ کی نسبت) یہ ''اِبداء'' اور ''اظہار'' ہے نہ بداء۔ یعنی جس بداء کی نسبت اللہ تبارک وتعالی کی طرف دی جاتی ہے اس کے معنی اِبداء کے ہیں، یعنی کسی چیز کو واضح اور ظاہر کرنا کہ جو پہلے واضح اور ظاہر نہیں تھی، چونکہ اللہ کے لیے تو حقیقت میں کوئی چیز مخفی ہی نہیں ہے جو اس کے لیے ظاہر اور آشکار ہو جائے۔ آیۃ اللہ خوئی نے بھی اپنی کتاب ''البیان'' میں اس مطلب کو بیان کیا ہے: **فان البداء الذی تقول به الشيعة الامامية هو من الابداء الاظهار حقيقة، و اطلاق لفظ البداء عليه مبنى على التنزيل و الاطلاق بعلاقة المشاكلة** ۔۷ جس بداء کے شیعہ امامیہ قائل ہیں حقیقت میں اس کا معنی اظہار ہے، اس کی جگہ لفظ بداء کا استعمال اس لیے ہوتا ہے کیوں کہ یہ روایات میں وارد ہوا ہے اور ان دونوں معانی میں شباہت پائی جاتی ہے۔

بداء اور علم الٰہی

اس مقام پر ضروری ہے کہ علم الٰہی کے بارے میں مختصر سی وضاحت پیش کر دی جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ علم الٰہی کے بارے میں ائمہ اہل بیت اور ان کے پیروکاروں کا کیا نظریہ ہے، چوں کہ عقیدہ بداء پر کیے جانے والے اکثر اشکالات اور اعتراضات بداء کی غلط تفسیر اور علم الٰہی اور بداء کے بارے میں مکتب امامیہ کے نظریات سے عدم واقفیت کی بناء

پر پیدا ہوئے ہیں، اسی بناء پر اس کے مخالف اس عقیدے کو اللہ تعالیٰ کے لامتناہی علم کے ساتھ ٹکرانے والا اور خلاف اسلامی عقیدہ قرار دیتے ہوئے رد کردیتے ہیں۔

قرآن وسنت کی نصوص اور ائمہ اہل بیت کی روایات کی بنیاد پر مکتب امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم چاہے اس کا ماضی، حال یا مستقبل سے متعلق ہو یا کلیات اور جزئیات سے، سب اس کو حاصل ہے۔ درحقیقت کائنات کے تمام موجودات کا ازل سے لے کر ابد تک اور اس کائنات کے آئندہ رونما ہونے والے تمام تغیرات کا کامل علم اللہ کے پاس ہے۔ وہ ازل سے جانتا تھا کہ اس عالم میں کیا کیا تبدیلیاں بعد میں ایجاد ہوں گی۔

حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں: "كَانَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ وَ لَا شَيْ‏ءَ غَيْرُهُ وَ لَمْ يَزَلْ عَالِماً بِمَا يَكُونُ فَعِلْمُهُ بِهِ قَبْلَ كَوْنِهِ كَعِلْمِهِ بِهِ بَعْدَ كَوْنِهِ "۸ یعنی اللہ اس وقت بھی تھا جب کسی چیز کا وجود نہیں تھا اور وہ حال یا مستقبل میں انجام پانے والی تمام چیزوں کے بارے میں ازل سے علم رکھتا ہے پس اس کا علم اشیاء کے وجود سے پہلے بالکل ویسے ہی ہے جیسے ان کے وجود میں آنے کے بعد۔ یعنی مستقبل کا علم بھی اس کے نزدیک حال ہی کے علم کی طرح واضح اور روشن ہے۔ اس سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں: "فَكُلُّ أَمْرٍ يُرِيدُهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي عِلْمِهِ قَبْلَ أَنْ يَصْنَعَهُ لَيْسَ شَيْ‏ءٌ يَبْدُو لَهُ إِلَّا وَ قَدْ كَانَ فِي عِلْمِهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَبْدُو لَهُ مِنْ جَهْلٍ "(۹) یعنی ہر وہ چیز کہ جس (کے وجود) کا اللہ ارادہ فرمائے اس کا علم اس کے ایجاد سے پہلے بھی اسے حاصل ہے اور کوئی بھی چیز اللہ کے لیے ظاہر نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کا علم پہلے سے ہی اسے حاصل ہوتا ہے کیوں کہ کوئی بھی چیز اللہ کے لیے جہل اور نادانی کی بناء پر ظاہر نہیں ہوتی۔

امام جعفر صادقؑ نے مخلوقات کی خلقت سے پہلے اور بعد میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا علم اللہ کو حاصل ہے بیان فرمایا۔ جیسے کہ "عَنْ مَنْصُورِ بْنِ حَازِمٍ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ ع هَلْ يَكُونُ الْيَوْمَ شَيْ‏ءٌ لَمْ يَكُنْ فِي عِلْمِ اللَّهِ بِالْأَمْسِ قَالَ لَا مَنْ قَالَ هَذَا فَأَخْزَاهُ اللَّهُ قُلْتُ أَ رَأَيْتَ مَا كَانَ وَ مَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَ لَيْسَ فِي عِلْمِ اللَّهِ قَالَ بَلَى قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ "۱۰ منصور بن حازم کی روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ کیا آج کوئی ایسی چیز واقع ہوسکتی ہے کہ جس کا علم اللہ کو کل نہیں تھا؟ امام نے فرمایا: نہیں جو بھی ایسی بات کرے اللہ اس کو ذلیل وخوار کرے۔ میں نے پوچھا: کیا گزشتہ اور قیامت تک پیش آنے والے سارے واقعات کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں مخلوقات کی خلقت سے پہلے بھی اس کو علم حاصل ہے۔ ائمہ اہل بیت کی ان روایات سے واضح ہوا کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا علم گزشتہ، حال اور آئندہ سب کو شامل ہے۔ اسی طرح کچھ ایسی روایات بھی ائمہ اہل بیت سے نقل ہوئی ہیں۔ جن کے مطابق اللہ تعالیٰ کو جس چیز میں بداء حاصل ہوتا ہے اس کا بھی علم اسے

پہلے سے ہی ہوتا ہے۔ جیسے حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں: مَا بَدَا لِلَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا كَانَ فِي عِلْمِهِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ لَهُ:[11] اللہ کو کسی چیز کے بارے میں بدا حاصل نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کا علم اسے اس بدا سے پہلے بھی ہوتا ہے۔

اس روایت سے بدا کے بارے میں ائمہ اہل بیت کا موقف بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک بدا کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ کوئی چیز اللہ کے علم میں نہیں تھی اور وہ اس کے لیے ظاہر ہو جاتی ہے بلکہ اسے تمام چیزوں کا پہلے سے ہی علم ہے لہذا یہاں بدا کا ایسا مطلب مراد لینا پڑے گا جس سے اس کی ذات پر نقص لازم نہ آئے اور وہ معنی وہی ہے کہ جو پہلے بداء کے اصطلاحی معنی میں ذکر ہو چکا کہ بداء کا مطلب حقیقت میں بندوں کے لیے کسی چیز کا ظاہر ہونا ہے جو ان کے لیے پہلے مخفی تھی۔ ورنہ اللہ کے لیے تو ہر چیز ظاہر ہی ظاہر ہے۔

ائمہ اہل بیت کی روایات سے ایک اور مطلب جو سامنے آتا ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے علم کی دو اقسام ہیں ایک علم ایسا ہے کہ جس سے وہ کسی کو بھی آگاہ نہیں فرماتا جب کہ دوسرے کے بارے میں وہ اپنے خاص برگزیدہ ہستیوں کو آگاہ فرماتا ہے۔ جیسے حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں: الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ عِنْدَ اللَّهِ مَخْزُونٌ لَمْ يُطْلِعْ عَلَيهِ أَحَداً مِنْ خَلْقِهِ وَ عِلْمٌ عَلَّمَهُ مَلَائِكَتَهُ وَ رُسُلَهُ فَمَا عَلَّمَهُ مَلَائِكَتَهُ وَ رُسُلَهُ فَإِنَّهُ سَيَكُونُ لَا يُكَذِّبُ نَفْسَهُ وَ لَا مَلَائِكَتَهُ وَ لَا رُسُلَهُ وَ عِلْمٌ عِنْدَهُ مَخْزُونٌ يُقَدِّمُ مِنْهُ مَا يَشَاءُ وَ يُؤَخِّرُ مِنْهُ مَا يَشَاءُ وَ يُثْبِتُ مَا يَشَاء:[12] علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم اللہ کے نزدیک پوشیدہ ہے اور وہ اس سے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو آگاہ نہیں فرماتا، اور دوسرا ایسا علم ہے جس کے بارے میں وہ اپنے فرشتوں اور رسولوں کو آگاہ فرماتا ہے، پس وہ علم جس سے وہ اپنے فرشتوں اور رسولوں کو آگاہ فرماتا ہے وہ واقع ہوگا کیوں کہ وہ نہ تو اپنے آپ کو جھٹلاتا ہے اور نہ ہی اپنے فرشتوں اور رسولوں کو جھٹلاتا ہے، اور جو علم اس کے پاس پوشیدہ ہے اس میں سے جو چاہے اس میں مقدم ہو سکتا ہے اور جو چاہے مؤخر ہو سکتا ہے اور جو چاہے ثابت ہو سکتا ہے۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق نے علم الہٰی کے انہی دو قسموں کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ بداء کا تعلق اس علم سے ہے جس سے اللہ کسی کو آگاہ نہیں فرماتا۔ جیسے آپ نے فرمایا: ''إِنَّ لِلَّهِ عِلْمَيْنِ عِلْمٌ مَكْنُونٌ مَخْزُونٌ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا هُوَ مِنْ ذَلِكَ يَكُونُ الْبَدَاءُ وَ عِلْمٌ عَلَّمَهُ مَلَائِكَتَهُ وَ رُسُلَهُ وَ أَنْبِيَائَهُ فَنَحْنُ نَعْلَمُهُ''[13] علم الہٰی کی دو قسمیں ہیں ایک پوشیدہ اور مخفی علم ہے جسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا بداء اسی میں واقع ہوتا ہے، اور دوسرا وہ علم ہے کہ جس کی تعلیم وہ اپنے فرشتوں اور رسولوں اور انبیاء کو بھی دیتا ہے اور ہم بھی اس کو جانتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے علم کی کوئی حد نہیں ہے اس کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے اور مخلوقات کی خلقت سے پہلے بھی اس کا علم ایسے ہی ہے جیسے ان کی خلقت کے بعد ہو۔ اور اسے کل قیامت تک پیش آنے والے تمام واقعات کا بھی

پورا پورا علم ہے۔تو پس وہ موارد کہ جہاں اللہ کی طرف بداء کی نسبت دی جاتی ہے وہ بھی درحقیقت علم الٰہی کے دائرے میں ہی شامل ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ العیاذ اللہ بداء کے بعد اللہ کے لیے ایک نیا علم حاصل ہو۔ حالاں کہ یہ جدید رائے اور نیا علم بندوں کے لیے ہے نہ کہ اللہ کے لیے۔ اللہ تو اپنے ازلی علم کی بناء پر تمام چیزوں کے بارے میں آگاہی رکھتا ہے اور جو تحولات مقدرات الٰہی میں انجام پاتے ہیں وہ غیر اللہ کے لیے نا معلوم ہے، لیکن خود اللہ کے لیے سب کچھ معلوم ہے، چوں کہ وہ عالم مطلق ہے اور اس کے علم اور اس کی ذات میں کوئی جدائی نہیں ہے بلکہ اس کا علم اس کی عین ذات ہے۔

بداء اور قدرت الٰہی

بداء کے بارے میں ائمہ اہل بیت کی روایتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بداء کا اعتقاد درحقیقت اللہ کی قدرتِ کاملہ اور قدرتِ مطلقہ کے اوپر اعتقاد رکھنے کے ساتھ مربوط ہے۔ ائمہ اہل بیت اس مسئلہ کو یہودیوں کے اس عقیدے کے مقابلے میں بیان فرماتے تھے جس میں وہ لوگ کہتے ہیں: ''**وَ قالَتِ الْیَهُودُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَه** (انعام،٤٦) یعنی یہودی کہتے ہیں اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں (یعنی وہ مجبور ہے) امام جعفر صادق اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس جملے سے یہودیوں کی مراد یہ نہیں ہے کہ حقیقی طور پر اللہ کے ہاتھ ہیں اور وہ بندھے ہوئے ہیں بلکہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ خلقت کے کام سے مکمل طور پر فارغ ہو چکے ہیں اور اس عالم میں اب کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر و تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے (یعنی اللہ اب مجبور ہے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلاتے ہوئے فرمایا: ''**غُلَّتْ أَیْدِیهِمْ وَ لُعِنُوا بِما قالُوا، بَلْ یَداهُ مَبْسُوطَتانِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشاءُ،** (انعام،٦٤) اصل میں انہیں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور یہ اپنے قول کی بناء پر ملعون ہیں اور اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور وہ جس طرح چاہے عطا فرماتا ہے (یعنی اللہ مجبور نہیں ہے) امام نے اس بات کی تائید میں کہ اللہ تعالیٰ خلقت عالم میں تصرفات انجام دیتا ہے اور بعض مواقع پر تغیر و تبدل ایجاد فرماتا ہے اس آیت کریمہ کے ساتھ استدلال فرمایا کہ جس میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: **یَمْحُوا اللّٰهُ ما یَشاءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَهُ أُمُّ الْکِتاب:** (رعد،٣٩) اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔[١٤]

پس معلوم ہوتا ہے کہ بداء پر اعتقاد رکھنا گویا کہ اس بات کا اعتراف کرنا ہے کہ کائنات کا نظام اپنے حدوث اور بقا میں اللہ کی قدرت اور سلطنت کے ماتحت ہے اور اللہ کا ارادہ تمام موجودات اور اشیاء میں ازلی اور ابدی طور پر نافذ اور جاری ہے اور بداء پر اعتقاد رکھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اعتقاد اور اس کے لامتناہی اختیارات کا اعتراف ہے، جو عقیدہ توحید کا لازمی جزو ہے۔

بداء اور قضاوقدر الٰہی

بداء کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے اب قضاوقدر الٰہی کی بھی وضاحت پیش کی جاتی ہے کیوں کہ بدا کا تعلق قضاوقدر الٰہی سے بھی ہے۔ائمہ اہل بیت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے اس کے مطابق قضاوقدر الٰہی کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ایسا قضا وقدر ہے کہ جو حتمی ہے اور اس کا علم اللہ نے کسی کو بھی عطا نہیں فرمایا ہے، حتی کسی نبی یا امام یا فرشتے کو بھی اس کی خبر نہیں دی ہے یہ وہی ہے کہ جو امّ الکتاب سے تعبیر ہوئی ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا محو و اثبات ممکن نہیں ہے۔

دوسری قسم: ایسا قضا وقدر ہے کہ جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور فرشتوں کو دی ہے۔اس کی بھی دو صورتیں ہیں (i) ایسا قضا و قدر کہ جو حتمی ہے اور کسی چیز کے ساتھ مشروط نہیں ہے یہ بھی پہلی صورت کی طرح نا قابلِ تبدیل ہے اور اس مرحلے میں بھی بدا کا کوئی امکان نہیں ہوتا ہے (ii) ایسا قضا وقدر کہ جو حتمی نہیں ہے بلکہ معلق اور مشروط ہے (یعنی اگر شرائط حاصل ہوں تو مثلا فلاں کام ہوگا اور اگر شرائط حاصل نہ ہوں تو وہ کام نہیں ہوگا۔) لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرامؑ اور ملائکہ کو اس چیز کی خبر نہیں دی ہے کہ یہ قضا وقدر معلق اور مشروط ہے اور حتمی نہیں ہے۔وہ قسم کہ جس میں بداء واقع ہوتی ہے وہ یہی صورت ہے اس میں تغیر وتبدل اور محو و اثبات ممکن ہے۔قضا وقدر کے اسی مرحلے کی طرف اشاہ کرتے ہوئے حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں: مِنَ الْأُمُورِ أُمُورٌ مَوْقُوفَةٌ عِنْدَ اللَّهِ يُقَدِّمُ مِنْهَا مَا يَشَاءُ وَ يُؤَخِّرُ مِنْهَا مَا يَشَاءُ: ۵ا یعنی بعض امور اللہ کے نزدیک مشروط ہیں، ان میں سے جسے چاہتا ہے وہ مقدم فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے مؤخر فرماتا ہے اور قرآن فرماتا ہے کہ ''يَمْحُوا اللَّهُ ما يَشاءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهُ أُمُّ الْكِتاب'' (رعد، ۳۹) اللہ جسے چاہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔حدیث اور آیت اسی قانون کلی کو بیان کرتی ہے کہ اس جہان کے حالات و واقعات اور موجودات کے وقوع کے دو مرحلے ہیں: ایک قطعی اور یقینی مرحلہ ہے کہ جس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں ہے (اوپر والی آیت میں اس کی تعبیر ام الکتاب سے ہوئی ہے) اور دوسرا مرحلہ غیر قطعی ہے یعنی مشروط ہے کہ اس میں تبدیلی کی گنجائش ہوتی ہے اور اس مرحلے کو محو و اثبات سے تعبیر کرتے ہیں۔پس بداء اسی مرحلے میں واقع ہوتا ہے یعنی اس قضا وقدر میں کہ جو معلق اور مشروط ہے اور حتمی نہیں ہے اور جس میں تغیر وتبدل ممکن ہے۔۱۶

آیت اللہ جعفر سبحانی اور جعفر الہادی نے بھی قضا وقدر اور تقدیر کے بارے میں مذکورہ مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تقدیر کو معلق اور حتمی و قطعی میں تقسیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بداء معلق اور موقوف تقدیر میں واقع ہوتا ہے نہ حتمی میں۔ جیسے وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: **انّ البداء انّما يتصوّر في التقدير الموقوف، و أمّا التقدير القطعي المحتوم فلا يتصوّر فيه البداء، و توضيح ذلک بما يلي: انّ للّه سبحانه قضائين: قضاء قطعيّا، و قضاء معلّقا. فأمّا الأوّل، فلا يتطرّق إليه البداء و لا يتغيّر أبدا، و أمّا الثاني فهو الذي يتغيّر بالأعمال**

الصالحة، و الأفعال الطالحة... و خلاصة القول: أنّ المراد من التقدير الحتمي ما لا يبدّل و لا يغيّر و لو دعي بالف دعاء، فلا تغيّره الصدقة، و لا شيء من صالح الأعمال أو طالحها، فقد قضى سبحانه للشمس و القمر سيراخاصّا و إلى أجل معيّن، كما قضى للنظام المادّي عمرا محدّدا و قدّر في حق كلّ إنسان بأنّه فان، إلى غير ذلک من السنن المستمرّة الحاكمة على الكون و الانسان. و المراد من الثاني الامور المقدّرة على وجه التعليق فقدّر أنّ المريض يموت في وقت كذا، إلّا إذا تداوى أو اجريت له عمليّة جراحيّة، أو دعي له و تصدّق عنه إلى غير ذلک من التقادير التي تتغيّر بايجاد الشرائط و الموانع و اللّه سبحانه يعلم كلا التقديرين [۱۷]

بتحقیق بداء تقدیر موقوف (یعنی غیر حتمی تقدیر) میں واقع ہوتا ہے، لیکن قطعی اور حتمی تقدیر میں بداء کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قضائے الٰہی کی دو قسمیں ہیں: پہلی قطعی ویقینی قضا ہے اور دوسری معلق (غیر حتمی) قضا۔ لیکن پہلی قسم یعنی قطعی قضا میں بداء واقع نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ تبدیل ہوسکتی ہے۔ لیکن دوسری قسم یعنی غیر حتمی قضا، تو یہ انسان کے اچھے اور برے اعمال کی وجہ سے تبدیل ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد اس مطلب کی تائید میں ائمہ اہل بیت کی بعض روایات کو نقل کرتے ہیں پھر آخر میں تمام مطالب کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: خلاصہ یہ کہ حتمی تقدیر سے مراد یہ ہے کہ وہ تبدیل نہیں ہو سکتی چاہے ہزار بار دعا ہی کیوں نہ کی جائے۔ اسے نہ تو صدقہ تبدیل کرسکتا ہے اور نہ ہی نیک یا برے اعمال اسے تبدیل کر سکتے ہیں۔ جیسے سورج اور چاند کا ایک خاص مدار میں ایک معین وقت تک حرکت کرنے کی قضا کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لکھ دیا ہے۔ اسی طرح اس مادی نظام کے لیے ایک خاص عمر کولکھ دیا گیا ہے اور اسی طرح ہر انسان کے مقدر میں یہ بات شامل ہے کہ وہ فانی ہے۔ ان کے علاوہ کائنات اور انسانوں کے درمیان جاری اس طرح کی دیگر سنتیں بھی اسی طرح ہیں۔ اور دوسری قسم یعنی وہ مقدرات جو حتمی نہیں ہیں بلکہ معلق اور مشروط ہیں جیسے یہ تقدیر کہ مریض فلاں وقت میں مر جائے گا مگر یہ کہ اس کا علاج کرایا جائے یا اس کا آپریشن کرایا جائے یا اس کے حق میں دعا کی جائے یا اس کی طرف سے صدقہ وغیرہ دیا جائے تو یہ اور اس جیسے دوسرے مقدرات جو شرائط کے حاصل ہونے یا رکاوٹوں کے پیش آنے کی وجہ سے تبدیل ہو جاتے ہیں، تو یہ سب غیر حتمی مقدرات میں شامل ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں تقدیروں (حتمی اور غیر حتمی) کا علم رکھتا ہے۔

آیۃ اللہ خوئی نے بھی اپنی کتاب ''البیان'' میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ بداء غیر حتمی مقدرات میں واقع ہوتا ہے نہ حتمی قضا وقدر میں، جیسے وہ کہتے ہیں: **ثم ان البداء الذی تقول به الشيعة الامامية انما يقع فی القضاء غير المحتوم، اما المحتوم منه فلا يتخلف، و لابد من ان تتعلق المشيئة بماتعلق به القضاء** [۱۸] یعنی شیعہ امامیہ جس بداء کے قائل ہیں وہ غیر حتمی قضاء میں واقع ہوتا ہے، لیکن حتمی قضاء میں بداء واقع نہیں ہوتا اس میں وہی چیز

مشیت الٰہی قرار پائے گی جو قضائے الٰہی کے مطابق ہو۔ بداء کا تعلق اس قضا وقدر سے ہے جو معلق، مشروط اور غیر حتمی ہو کیوں کہ یہ کچھ اسباب وعلل کے اوپر موقوف ہوتے ہیں اس لیے ان میں تبدیلی کی گنجائش موجود ہوتی ہے اور جب یہ تبدیلی واقع ہو جائے تو اسے بداء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وقوع بدا کے نمونے

(الف) روایات کے مطابق حضرت یونسؑ کی قوم موصل کی سرزمین نینوا میں زندگی گزار رہی تھی۔ اللہ نے حضرت یونسؑ کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا تا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں اور بت پرستی سے روکیں۔ لیکن انہوں نے حضرت یونسؑ پر ایمان لانے سے انکار کیا، حضرت یونسؑ نے انہیں خبر دی کہ اگر وہ لوگ توبہ نہ کریں اور دین حق کو قبول نہ کریں تو تین دن کے بعد ان پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ قوم یونسؑ نے ایک دوسرے سے کہا: ہم نے آج تک یونسؑ سے کوئی جھوٹی بات نہیں سنی، اگر وہ عذاب والی رات ہمارے درمیان رہے تو کوئی عذاب نازل نہیں ہوگا لیکن اگر وہ شہر سے باہر نکل گئے تو عذاب الٰہی کا آنا یقینی ہے۔ جب رات ہوئی تو حضرت یونسؑ ان کے درمیان سے نکل گئے، صبح ہوئی تو عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے، تو انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور حضرت یونسؑ کی تلاش میں نکلے لیکن وہ نہیں ملے۔ اس وقت وہ لوگ عورتوں اور بچوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل گئے یہاں تک کہ مویشیوں کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے اور صحرا کی طرف نکل گئے اور خلوص دل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے لگے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔ اللہ تنے اپنی رحمت ان پر نازل فرمائی اور عذاب کو ان سے برطرف فرما دیا۔[۱۹] قرآن مجید میں اس واقعے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جیسے: ''فَلَوْ لا كانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَها إِيمانُها إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنا عَنْهُمْ عَذابَ الْخِزْيِ فِي الْحَياةِ الدُّنْيا، وَ مَتَّعْناهُمْ إِلى حِينٍ (یونس۔۹۸)'' کیا کوئی بستی ایسی ہے کہ (بروقت) ایمان لائی ہو، اور اس کا ایمان اس کے لیے سودمند ثابت ہوا ہو سوائے قوم یونس کے، جب وہ ایمان لائے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے ٹال دیا اور ایک مدت تک انہیں (زندگی سے) بہرہ مند رکھا۔''

حضرت یونسؑ کی قوم کا واقعہ بداء کے روشن ترین مصادیق میں سے ہے کہ پہلے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ نے ان کے لیے عذاب کو مقدر فرمایا اور اپنے نبی سے اس کا اعلان بھی کرایا۔ لیکن اللہ نے اپنے نبی کو اس بات کی خبر نہیں دی کہ یہ قضا وقدر اس بات پر معلق اور مشروط ہے کہ وہ توبہ نہ کریں، اور یہ کہ توبہ کرنے کی صورت میں ان پر وہ عذاب نازل نہیں فرمائے گا۔ حالاں کہ اللہ کو پہلے سے ہی اس بات کا علم تھا کہ وہ لوگ توبہ کریں گے اور ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا۔ تو یہاں چوں کہ اللہ کا عذاب اس شرط پر موقوف تھا کہ وہ لوگ توبہ نہ کریں لیکن حضرت یونسؑ اس شرط سے آگاہ نہیں تھے، یعنی اللہ نے نبی کو خبر نہیں دی تھی کہ یہ عذاب مشروط ہے۔ تو پس مقدرات الٰہی میں ایسے تحولات کو بداء کہا جاتا ہے کہ البتہ یہ سب

اللہ کی مشیت کے عین مطابق انجام پاتا ہے اور وہ پہلے سے ہی بداء سے قبل اور بداء کے بعد والی دونوں حالتوں کے بارے میں علم رکھتا ہے۔

(ب) روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ایک دلہن کے بارے میں خبر دی تھی کہ وہ سہاگ رات ہی مر جائے گی لیکن حضرت عیسیٰ کی پیشن گوئی کے برعکس بعد میں وہ دلہن زندہ رہی۔ بعد میں جب اس سے تفصیلات معلوم کی تو پتہ چلا کہ اس رات اس دلہن نے اللہ کی راہ میں صدقہ دیا تھا، اور اسی صدقہ دینے کی وجہ سے اللہ تعالی نے اس کی موت کو مؤخر فرما دیا۔[۲۰] اس واقعے میں سہاگ رات اس دلہن کی موت واقع ہونا مشروط مقدرات میں سے تھا لیکن اللہ نے حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر نہیں دی تھی جس کی بناء پر وہ اس شرط سے آگاہ نہیں تھے۔ اس دلہن کی موت صدقہ نہ دینے سے مشروط تھی تو چوں کہ شرط محقق نہیں ہوئی اس لیے اس کی موت بھی واقع نہیں ہوئی۔ یہ وہی محو و اثبات ہے کہ جس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہوا ہے: يَمْحُوا اللَّهُ ما يَشاءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهُ أُمُّ الْكِتابِ: (رعد، ۳۹) اور تمام مسلمان اسے قبول کرتے ہیں۔

تو یہ دونوں واقعات بداء کی واضح مثالیں ہیں کہ اللہ تعالٰی نے پہلے ایک کام کو مقدر فرما دیا لیکن بعد میں اسے تبدیل فرمایا۔ جس سے لوگوں کے لیے ایک ایسی چیز ظاہر ہوگئی جو پہلے ان کے لیے مخفی تھی، حالاں کہ خود اللہ تعالیٰ کو ان دونوں حالتوں کا پہلے سے ہی علم تھا۔ تو دنیا میں پیش آنے والی ایسی تبدیلیوں کو ہی ائمہ اہل بیت کی روایات اور دینی اصطلاح میں بداء کہا گیا ہے۔ یہاں سے ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان کے اعمال اور رفتار اس کی تقدیر اور سرنوشت کو معین کرنے میں تاثیر گزار ہے۔ اس لیے اب یہاں انسان کی سرنوشت کے حوالے سے بھی چند مطالب پیش کرتے ہیں۔ تا کہ معلوم ہو سکے کہ بداء کا انسان کی سرنوشت کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

بداء اور سرنوشت انسان

آیات اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان اپنی سرنوشت کو اپنے نیک کاموں، اچھے کردار اور اچھے اخلاق کے ذریعے تبدیل کر سکتا ہے، یہ اعمال اس چیز کا سبب بنتے ہیں کہ انسان کی تقدیر اور سرنوشت بدبختی سے اچھائی کی طرف پلٹے۔ اس طرح انسان اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ اپنی اچھی اور نیک تقدیر و سرنوشت کو برے اعمال اور گناہ کے ارتکاب کے ذریعے اچھائی سے بدبختی کی طرف موڑ لے۔ شکرِ نعمت اور کفرانِ نعمت یا تقویٰ اور معصیت اور اسی طرح کے دوسرے اعمال انسان کی اس تقدیر میں کہ جو مشروط اور معلق ہے تاثیر گزار ہے اور ایسا نہیں ہے کہ اس کی تقدیر اور سرنوشت ہمیشہ کے لیے معین ہو چکی ہو اور وہ اسے تبدیل نہ کر سکے بلکہ اللہ تعالی نے اسے یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کے ذریعے اپنی سرنوشت اور تقدیر کو تبدیل کرے اور اپنی زندگی میں تحول ایجاد کرے۔ انسان کا فقیر یا غنی ہونا، بیمار یا تندرست ہونا، عمر کا زیادہ یا کم ہونا اور زندگی کے اسی طرح کے بہت سارے معاملات ایسے ہیں کہ جو انسان کے اپنے نیک یا برے

اعمال سے تبدیل ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے ایسے نیک کاموں کے انجام کا خصوصی حکم دیا ہے کہ جن کے مثبت آثار اس کی زندگی پر مرتب ہو سکتے ہیں جیسے صدقہ دینا، دعا کرنا، صلہ رحمی اور والدین کا احترام وغیرہ۔ اور جو کام انسانی زندگی پر برے اثرات مرتب کر سکتے ہیں ان سے روکا ہے۔ جیسے ظلم، قطع رحم، والدین کی بے احترامی وغیرہ۔ یہ تمام امور بداء کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، یعنی ان کاموں کے ذریعے انسان اپنی اس تقدیر میں کہ جو مشروط ہے، تبدیلی لا سکتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ''إِنَّ اللَّهَ لا يُغَيِّرُ ما بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا ما بِأَنْفُسِهِمْ'' (رعد، ۱۱) اللہ کسی قوم کا حال یقیناً اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''**ان العبد ليحرم الرزق بالذنب يصيبه و لا يرد القدر الا الدعاء و لا يزيد في العمر الا البر**'' ۲۱ یعنی انسان گناہ کے باعث اسے ملنے والے رزق سے محروم ہو جاتا ہے اور سرنوشت کو دعا کے علاوہ کوئی چیز ٹال نہیں سکتی اور نیکی کے علاوہ کوئی چیز انسان کی عمر میں اضافہ نہیں کر سکتی۔ ایک حدیث میں ہے جب حضرت علی نے پیغمبر اکرم ﷺ سے اس آیت کریمہ ''يَمْحُوا اللَّهُ ما يَشاءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهُ أُمُّ الْكِتابِ'' کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: میں اس آیت کی تفسیر سے آپ کی اور اپنی امت کی آنکھوں کو روشن کروں گا۔ پھر فرمایا: ''**الصدقة على وجهها، و برّ الوالدين، و اصطناع المعروف يحول الشقاء سعادة، و يزيد في العمر، يقي مصارع السوء**'' ۲۲ یعنی صحیح طریقے کے مطابق صدقہ دینا، اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا، اور ہر کارِ خیر کا انجام دینا شقاوت کو سعادت میں تبدیل کر سکتا ہے اور عمر میں اضافے اور ناگہانی موت سے بچنے کا باعث بنتا ہے۔ بدا کے بارے میں ائمہ اہل بیت کی روایات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ مقدرات الٰہی میں ایسے تحولات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

بداء اور نسخ

اگر نسخ کے مفہوم کو ذہن میں رکھ کر بداء کے بارے میں غور و فکر کیا جائے تو اس کا مفہوم اور واضح ہو جائے گا کیوں کہ بداء درحقیقت عالمِ تکوین میں نسخ ہے چناں چہ معروف نسخ، عالم تشریع میں نسخ ہے۔ جیسے کہ اللہ امر یا نہی کی صورت میں ایک حکم شرعی کو تشریع فرماتا ہے اور جس کا ظاہر دوام پر مبنی ہوتا ہے لیکن اللہ اس حکم کے نہ دائمی اور استمراری ہونے کی تصریح فرماتا ہے اور نہ عارضی ہونے کی۔ لیکن بعد میں اس حکم کے ناسخ کے آنے پر پہلے حکم کا دائمی نہ ہونا آشکار اور ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی حکم شروع سے ہی محدود مدت کے لیے آیا تھا لیکن اللہ نے بعض مصلحتوں کی بنیاد پر اس کے محدود ہونے کا اعلان نہیں فرمایا تھا۔ بداء بھی بالکل اسی طرح ہے۔ یعنی بعض اسباب اور علامتوں سے ایک واقعہ کا وقوع ظاہر ہوتا ہے پھر شرائط کی تبدیلی کی بناء پر وہ واقعہ رونما نہیں ہوتا، یہ امر بداء کہلاتا ہے۔ چناں امام جعفر صادق کے فرزند اسماعیل کے بارے میں بعض لوگ اس اعتبار سے کہ وہ امام کے بڑے بیٹے تھے، یہ گمان کرتے تھے کہ آپ کے بعد وہ امام ہوں گے، لیکن اسماعیل

کی موت نے اس گمان کو باطل ثابت کیا۔ روایات میں اس واقعے کو بدا کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۲۳

مکتب امامیہ کے معروف عالم دین شیخ مفید نے بھی اپنی معروف کتاب ''اوائل المقالات'' میں لکھا ہے:

و اقول فی معنی البداء ما یقول ه المسلمون باجمعهم فی النسخ ۔۲۴ بدا کے بارے میں ہمارا عقیدہ بالکل اسی عقیدے کی مانند ہے جو عام روایتی لوگوں کا نسخ کے بارے میں ہے۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ بدا عالمِ تکوین میں ہے اور نسخ عالمِ تشریع میں۔ یعنی جن امور میں اللہ کی طرف سے جو تغیر و تحول انجام پاتا ہے اسے نسخ کہتے ہیں، جب کہ تکوینی امور میں اللہ کی طرف سے جو تغیر و تحول انجام پاتا ہے اسے بداء کہتے ہیں۔ تو پس اس بناء پر روایتی علما کی طرف سے بدا کو غیر اسلامی اور نسخ کو اسلامی عقیدہ قرار دینا دراصل بدا کے حقیقی مفہوم سے ناواقفیت یا اس کی غلط تفسیر یا کلمہ بدا کو اللہ کے لیے استعمال کرنے کی بناء پر پیدا ہونے والی ایک غلط فہمی کا نتیجہ لگتا ہے۔ حالاں کہ شیعہ امامیہ لفظ بداء کو اللہ کے لیے فقط اس بناء پر استعمال کرتے ہیں چوں کہ یہ لفظ ائمہ اہل بیت کی روایات میں استعمال ہوا ہے۔ جس طرح عام لوگ مکر، خدعہ، نسیان اور ان جیسے دوسرے الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اس لیے کہ چوں کہ یہ الفاظ قرآن کریم میں بھی آئے ہیں۔ ۲۵ اگر یہ الفاظ قرآن میں استعمال نہ ہوتے تو مسلمان بھی ان کو استعمال نہ کرتے، اسی طرح اگر لفظ بداء ائمہ اہل بیت کی روایات میں وارد نہ ہوتا تو شیعہ مسلمان بھی اس لفظ کو کبھی بھی اللہ کے لیے استعمال نہ کرتے۔ شیخ مفید نے اس مطلب کو یوں ذکر کیا ہے: **فأما إطلاق لفظ البداء فإنما صرت إلیه بالسمع الوارد عن الوسائط بین العباد و بین الله عز و جل و لو لم یرد به سمع أعلم صحته ما استجزت إطلاقه کما أنه لو لم یرد علی سمع بأن الله تعالی یغضب و یرضی و یحب و یعجب لما أطلقت ذلک علیه سبحانه و لکنه لما جاء السمع به صرت إلیه علی المعاني التي لا تأباها العقول** ۔۲۶ یعنی باقی رہا لفظ بداء کو استعمال کرنے کا مسئلہ تو یہ اس وجہ سے ہے کیوں کہ روایات میں اللہ اور بندوں کے درمیان واسطے کے طور پر یہ لفظ وارد ہوا ہے، اور اگر یہ لفظ روایات میں وارد نہ ہوا ہوتا تو میں ہرگز اس کو اللہ کے لیے استعمال نہ کرتا جیسے اگر آیات میں غضب، رضا، محبت اور عجب جیسے الفاظ وارد نہ ہوئے ہوتے تو ان الفاظوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے کبھی استعمال نہ کرتا۔ لیکن جب روایت میں یہ لفظ (بداء) آیا ہے تو اس سے میں نے وہی معنی مراد لیا ہے جس کی طرف میں نے توجہ دلائی۔ (یعنی یہ کہ بداء نسخ کی مانند ہے۔)

علامہ محسن امین نے بھی اپنی کتاب نقض الوشیعہ میں اسی مطلب کو کچھ مزید تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ۲۷

حقیقت تو یہ ہے کہ عقیدہ بداء کی اس توضیح کے بعد شاید یہ کہنا بے جا نہ گا کہ اہل سنت بھی اصل بداء کے اوپر اعتقاد رکھتے ہیں، لیکن وہ لفظ بدا کو استعمال کرنے سے اجتناب کرتے ہیں، تو یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ بداء کے مسئلہ میں اہل تشیع اور اہل سنت کے درمیان جو نزاع ہے وہ فقط لفظی نزاع ہے نہ حقیقی۔ اور اس بات کی مکتب امامیہ کے قدیم اور جدید دونوں

زمانوں کے علماء نے تصریح کی ہے۔ جیسے قدیم علما میں سے شیخ مفید کہتے ہیں: **و ليس بيني و بين كافة المسلمين في هذا الباب خلاف و إنما خالف من خالفهم في اللفظ دون ماسواه** :۲۸ ہمارے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان بدا کے بارے میں فقط اس کے لفظ کے علاوہ کسی اور چیز میں اختلاف نہیں ہے۔ اور جدید علما میں سے علامہ محمد حسین طباطبائی کہتے ہیں: **و الذي أحسب أن النزاع في ثبوت البداء كمايظهر من أحاديث أئمة أهل البيت ع و نفيه كما يظهر من غيرهم نزاع لفظي و لهذا لم نعقد لهذا البحث فصلا مستقلا على ما هو دأب الكتاب و من الدليل على كون النزاع لفظيا استدلالهم على نفي البداء عنه تعالى بأنه يستلزم التغير في علمه مع أنه لازم البداء بالمعنى الذي يفسر به البداء فينا لا البداء بالمعنى الذي يفسره به الأخبار فيه تعالى** ۲۹ میری نظر میں بداء کے ثبوت (جیسے کہ ائمہ اہل بیت کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے) اور نفی (جیسے دوسروں کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے) کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ فقط لفظی ہے، کیوں کہ بداء کی نفی میں ان کا استدلال یہ ہے کہ اس سے علم الٰہی میں تغیر وتبدل لازم آتا ہے حالاں کہ یہ تغیر وتبدل اس بدا میں لازم آتا ہے جو بندوں کو حاصل ہوتا ہے نہ اس بداء الٰہی میں جس کے معنی کی وضاحت روایات میں ذکر ہوئی ہے۔

معلوم ہوا کہ بداء کے بارے میں مسلمانوں کے دونوں مکاتب فکر کے درمیان بادی النظر میں نظر آنے والے اختلاف کی حقیقت فقط لفظی اور ظاہری اختلاف کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ بداء کی نفی کرنے والے ایک ایسے معنی کی نفی کرتے ہیں کہ جس پر شیعہ اعتقاد ہی نہیں رکھتے، اور شیعہ بداء کے لیے ایک ایسے معنی کا اثبات کرتے ہیں کہ جس پر اہل سنت بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ بعض اوقات کسی عقیدے یا مطلب کی صحیح تفہیم نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان غلط فہمیاں پیش آجاتی ہیں اسی طرح اس قسم کی غلط فہمیاں بعض اوقات مکاتب فکر کے درمیان بھی پیش آسکتی ہیں، لیکن اگر محل نزاع مسئلہ کی صحیح اور مکمل وضاحت پیش کردی جائے تو ممکن ہے کہ وہ غلط فہمی دور ہوجائے۔ تو یہاں عقیدہ بداء کے بارے میں بھی مسلمانوں کے دو بڑے مکاتب فکر کے درمیان بظاہر اختلاف کی اصل وجہ بھی اس لفظ کے لغوی مفہوم سے پیش آنے والی غلط فہمی ہے، مذکورہ تشریح کے بعد کسی غلط فہمی اور اختلاف کا امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ کیوں کہ اس سے نہ تو علم الٰہی کے اوپر کوئی اعتراض لازم آتا ہے اور نہ ہی کسی صفت پر۔ چوں کہ کائنات میں پیش آنے والے تمام واقعات کا اللہ کو پہلے سے ہی علم ہوتا ہے، مزید یہ کہ بداء نسخ کی مانند ہی ہے، فرق صرف عالم تکوین اور عالم تشریع کا ہے۔

عقیدہ بداء کا فائدہ

یہ سوال کہ بداء کا کیا فائدہ ہے؟ اس سوال کا جواب گزشتہ مطالب میں غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے اور امامیہ علما نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ انسان کے اعمال اس کی تقدیر اور سرنوشت میں اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کی زندگی کے

حالات اس کے ہاتھ میں ہے، اور وہ اپنی روش کو تبدیل کر کے اپنی تقدیر اور زندگی کے حالات بدل سکتا ہے۔ یعنی انسان کے آئندہ کی وہ غیر حتمی مقدرات کہ جو اس کے لئے طے کئے گئے ہیں، انہیں وہ اپنے رفتار اور کردار کے ذریعے تبدیل کر سکتا ہے۔ تو بداء کے ذریعے بہت سے نیک کاموں کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور بہت سی برائیوں سے روکا جاتا ہے۔ چونکہ اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ بعض وہ لوگ کہ جو نیک بختوں یا بدبختوں کے زمرے میں قرار پائے ہوں ان کی حالت کبھی نہیں بدلتی ہے، اور اب انسان کی تقدیر بدلنے والی نہیں ہے تو یہ عقیدہ نیک بختوں کے لئے باعث تکبر اور بدبختوں کے لئے مایوسی کا سبب بنے گا۔ اور پھر ممکن ہے کہ نیک لوگ عبادت اور اطاعت میں سستی کرنے لگیں اور گنہگار مایوسی کی بناء پر اپنے گناہوں کا سلسلہ یوں ہی جاری رکھیں اور کبھی توبہ کی طرف نہ آئیں۔ لیکن اگر اسے یہ احساس ہو جائے کہ اس کے تمام اعمال اور کردار اس کی تقدیر اور سرنوشت کو معین کرنے میں مؤثر ہے تو یہ احساس نیک لوگوں کے لئے مزید نیکی انجام دینے اور گناہگاروں کے لئے توبہ اور اطاعت کی طرف پلٹنے کا باعث بنے گا، اور یہی عقیدہ بداء کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جیسے امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: **قالت الرافضة: البداء جائز على اللّٰه تعالى، و هو أن يعتقد شيئا ثم يظهر له أن الأمر بخلاف ما اعتقده، و تمسكوا فيه بقوله: يَمْحُوا اللَّهُ ما يَشاءُ وَ يُثْبِتُ. و اعلم أن هذا باطل لأن علم اللّٰه من لوازم ذاته المخصوصة، و ما كان كذلک كان دخول التغير و التبدل فيه محالا.** دیکھیے: **مفاتيح الغيب، ابو عبد الله محمد بن عمر فخر الدين رازى (م۶۰۶)، جلد: ۱۹، صفحه: ۵۲، چاپ سوم، ۱۴۲۰ ق، داراحياء التراث العربى، بيروت:** اسی طرح اپنی ایک اور اہم کتاب ''المحصل'' کا اختتام بھی انہوں نے عقیدہ بداء پر اعتراض اور اشکال سے کیا ہے۔ دیکھیے: المحصل، امام ابوعبد اللہ محمد بن عمر فخر الدین رازی (م۶۰۶ھ)، صفحہ: ۲۰۲، ۲۰۳، چاپ اول، ۱۴۱۱ھ، دار الرازی، عمان۔

۲۔ الاصفہانی، ابوالقاسم الحسین الراغب، مفردات الفاظ القرآن (بیروت، دار الکتب العربیہ، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷ء، ص۱۱۳

۳۔ **البداء مصدر بدا يبدو بداء اى ظهر و يستعمل في العرف بمعنى الظهور بعد الخفاء فيقال فلان كان عازماعلى هذا ثم بدا له فعدل عنه. و قد اجمع علماء الشيعة فى كل عصروزمان على انه بهذا المعنى باطل و محال على اللّٰه لأنه يوجب نسبة الجهل إليه تعالى و هو منزه عن ذلک تنزيهه عن جميع القبائح و علمه محيط بجميع الأشياء احاطة تامة جزئياتها و كلياتها لا يمكن ان يخفي عليه شيء ثم يظهر له۔** دیکھیے: امین، سید محسن (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی، ۱۴۰۳ھ) ص۴۰۹

۴۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، (بیروت، مؤسسۃ الوفاء، طبع ثانیہ، ۱۹۸۳ء) ج۴، ص۱۱۱

۵ عسکری، سید مرتضی، عقائدالاسلام من القرآن الکریم (مقام اشاعت نامعلوم، نشر توحید، ۱۹۹۹ء) جلد۱، ص: ۴۰۵،
۶ طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن (قم، انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ، ۱۴۱۷ھ) جلد۱۱، ص۳۸۱
۷ خوئی، سید ابوالقاسم، البیان فی تفسیر القرآن (سافٹ ویئر جامع تفاسیر نور) ص۳۹۲
۸ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۷ ھ) جلد ۱، ص۱۰۷/ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، جلد۴، ص: ۸۶۔
۹ بحارالانوار، ج: ۴، ص۱۲۱
۱۰ اصول کافی، ج۱، ص۱۴۸/ شیخ صدوق، التوحید (قم، مؤسسۃ النشر الاسلامی ۱۳۹۸ھ) ص۳۳۴،
۱۱ اصول کافی، ج۱، ص۱۴۸
۱۲ ایضاً، ص۱۴۷
۱۳ ایضاً، ص۱۴۷
۱۴ بحارالانوار، ج۴، ص۱۰۴
۱۵ اصول کافی، ج۱، ص ۱۴۷۔
۱۶ نسخ وبداء، سید فضل اللہ میر شفیعی، (نامکمل حوالہ؟؟؟؟) ص۵۹، ۶۰۔
۱۷ جعفرالہادی، جعفر سبحانی، لبداء فی ضوء الکتاب والسنۃ (بیروت، دارالاضواء، ۱۴۰۸ھ) ص۶۰ تا ۶۳
۱۸ البیان فی تفسیر القرآن، ج ۳۸۵۔
۱۹ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان (تہران، انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۷۴ھ) جلد۵، ص۲۰۴، ۲۰۵/ سیوطی، جلال الدین، الدرالمنثور فی تفسیر الماثور، (قم، ناشر کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی، ۱۴۰۴ھ) جلد۳، ص۳۱۸
۲۰ بحارالانوار، ج۴، ص۹۴۔
۲۱ الدرالمنثور فی تفسیر الماثور، ج ۶، ص۲۳۳، اسی طرح امام ترمذی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا یرد القدر الا الدعاء و لا یزید في العمر الا الب''یعنی رد نہیں کرتی ہے قضا کو مگر دعا اور نہیں بڑھاتی عمر کو مگر نیکی۔ ترمذی، حافظ محمد بن عیسی، جامع ترمذی/ مترجم (لاہور، نعمانی کتب خانہ، ۲۰۱۲ء) ج ۲، ص۴۵
۲۲ الدرالمنثور فی تفسیر الماثور، ج ۴، ص ۶۶/ آلوسی، سید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم (بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ) ج۷، ص۱۶۲
۲۳ نقض الوشیعہ، سید محسن امین، (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی، ۱۴۰۳ھ) ص۴۰۹، ۴۱۰۔

۲۴؎ شیخ مفید، اوائل المقالات (قم، المؤتمر العالمی للشیخ المفید، ۱۴۱۳ھ) ص ۸۰

۲۵؎ جیسے: إِنَّ الْـمُـنـافِقِينَ يُخادِعُونَ اللَّهَ وَ هُوَ خادِعُهُم (نساء، ۱۴۲) الْـمُـنـافِقُونَ وَ الْمُنافِقاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَـعْـضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَ يَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنافِقِينَ هُمُ الْفاسِقُونَ (توبہ، ۶۷) وَ مَكَرُوا مَكْراً وَ مَكَرْنا مَكْراً وَ هُمْ لا يَشْعُرُونَ (نمل، ۵۰) وَ مَكَرُوا وَ مَكَرَ اللَّهُ وَ اللَّهُ خَيْرُ الْماكِرِينَ (آل عمران، ۵۴) إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْداً، وَ أَكِيدُ كَيْداً (طارق، ۱۵، ۱۶)

۲۶؎ اوائل المقالات، شیخ مفید صفحہ: ۸۰۔

۲۷؎ جیسے علامہ سید محسن امین نے لکھا ہے: و لـكـن ورد فـي بـعـض الاخبـار من طرق الشيعة نسبة البداء إليه تـعـالـى كـمـا ورد في القرآن الكريم: يُرِيدُ اللَّهُ. خَلَقْتُ بِيَدَيَّ. الرَّحْمنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوى. وَ جاءَ رَبُّكَ. اللَّهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ. و غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ و ورد في بعض الاخبار عند الجميع ان اللّه ينزل الى سماء الدنيا. و كما علمنا بالدليل العقلي ان اللّه تعالى منزه عن الأعضاء و الجوارح و عن التركيب و عـن الاستـواء عـلـى الـعـرش كـأستـواء احـدنا على السرير و عن النزول و الصعود و المجيء و الـذهاب لا ستلزام ذلك المكان و الجهة و هما من لوازم الجسم الحادث و عن الغضب الذي هو انـفـعـالـي نفساني و عن الاستهزاء الذي هو ظهور فعل في البدن و الجوارح و كل ذلك من لوازم الـحدوث كذلك علمنا ان اللّه تعالى لا يبدو له شيء بعد ان كان خفيا عنه لاستلزامه الجهل و اللّه منزه عنه و كما لزم حمل الآيات المذكورة و الخبر المذكور على ما لا ينافي نزاهته تعالى أو ايكال عـلـمـه إليه كذلك يلزم حمل البداء الوارد في بعض الاخبار على معنى لا ينافي نزاهته تعالى و هو مـنـاسب للفظ البداء كل المناسبة بأن يراد بالبداء الاظهار بعد الاخفاء لا الظهور بعد الخفاء. دیکھیے: نقض الوشیعہ، سید محسن امین، ص ۴۰۹۔

۲۸؎ اوائل المقالات، شیخ مفید، ص ۸۰۔

۲۹؎ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۱، ص ۳۸۱۔۳۸۲